السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

میری بیوہ لڑکی کا نکاح بغیر میری مرضی کے پڑھا دیا جو نکاح بغیر اجازت ولی پڑھایا گیا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

ہر نکاح میں لڑکی کے ولی کی شرکت لازمی ہے۔ اگر لڑکی مطلقہ یا بیوہ ہے۔ تو اختلاف کی صورت میں اس کی رائے کو ولی کی رائے پر ترجیح دی جائے گی بحکم حدیث شریف الشیبہ احق بنفسھا حنفیہ کے نزدیک ولی کی ضرورت نہیں (واللہ اعلم۔ (اہلحدیث امرتسر 27 جمادی الاول 1364 ہجری

شرفیہ

صورت مرقومہ میں بحکموٓا أَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ ۔ الایۃ۔ وبحدیث

لانکاح الا بولی وشاہدین الحدیث رواہ احمد والاربعۃ وصححہ ابن الدینی ولترمذي وابن حبان واعلی بالارسال وبحدیث قال صلی اللہ علیہ وسلم ایما امراۃ نکحت بغیر ازن ولیہا فنکاحہا باطل اخرجہ الاربعۃ الاالنسائی وصححۃ ابوعوانۃ وابن الحبان والحاکم

(بلوغ المرام ص ٧٤) نکاح صحیح نہیں۔ اور بیوہ کی ترجیع مستلزم انعقاد نکاح نہیں اجازت ولی شرط ہے احق اسم تفضیل ہے حق ولی کا بھی ہے۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

لانکاح الا بولی

میں نے عبد الجبار صاحب عمر پوری کا مضمون مندرجہ اخبار اہلحدیث 3 محرم الحرام 1331 ہجری دیکھا۔ جس میں مولانا نے باکرہ وثیبہ کے ساتھ ولی کی شرط کو قائم فرمایا ہے۔ میں نے اپنے مضمون مندرجہ اخبار اہلحدیث 29 نومبر 1912ء میں امام داؤد الظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو پسند کرتے ہوئے دو احادیث کی تطبیق سے تیجہ نکال کر ظاہر یہ کہ مذہب کو راجح بتلایا تھا۔ اب مولانا کے مضمون اور خاکسار کے مضمون میں اس قدر فرق ہے۔ کہ میں صرف ثیبہ کے ساتھ ولی کی شرط کو رفع کرنا چاہتا ہوں۔ اور مولانا باکرہ وثیبہ کے ساتھ شرط ولی کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ولی ارکان صحت نکاح سے نہیں۔ جس کا ثبوت خود مولانا کے مضمون سے ملتا ہے۔ جہاں مولنا نے آیت۔ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ۔ کی تفسیر وتشریح میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ ''وفعل نکاح کی نسبت عورت کی جانب کی گئی ہے۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح بغیر عورت کی رضا مندی وخوشی کے نہیں ہوسکتا۔ کسی کو اس پر جبر کرنے کا استحقاق حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اس کی جانب نکاح کی نسبت ہر طرح صحیح درت ہے '' آیت قرآنی اور مولنا کی تشریح سے ظاہر ہے۔ کہ عورت معاملہ نکاح میں خود مختار ہے۔ بغیر رضا مندی عورت کے نکاح نہیں ہوسکتا۔ اس کے خلاف منشاء کسی کو حق جبر بھی حاصل نہیں ہے۔ پس جب وہ مجبور نہیں ہوسکتی۔ تو ولی کی شرط کا قیام بھی لغو ہے۔ یہ کیا معنی کے جب عورت کی رضا مندی اور خوشی پر عقد موقوف ہو۔ اور پر اس کے ساتھ ولی کی قید بھی لگا دی جائے۔ یہی ایک ایسی وجہ ہے۔ کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے باکرہ اور ثیبہ کے ساتھ ولی کی قید کو مطلق نکال دیا۔ اکثر آئمہ کبار و دیگر اکابردین نے اس کو تسلیم کرلیا ہے۔ کہ ولی کی نکاح کی شرط نہیں اور نہ اس پر صحت نکاح موقوف ہے۔ میں نے اپنے سابقہ مضمون میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کو اسی استدلال میں لکھا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

لیس الولی من الرکان صہتۃ الکاح بل من تمامہ

یعنی ولی صحت نکاح کا رکن نہیں بلکہ ولی کی حاجت صرف اتمام مقصود کے لئے ہے۔ ''سراج الوہاج'' میں نواب صدیق الحسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے۔

قالوا فکل امراۃ بلغت ذہبی احق بنفسہا من ولیہا وعقدہا علی نفسہا النکاح صحیح وبہ قال الشعبی والذہري قالوا ولیس الولی من ارکان صحہ النکاح بل من تمام

یعنی علماء نے کہا کہ جو عورت بالغہ ہو۔ وہ اپنے نفس کی ولی سے زیادہ مستحق ہے کہ وہ اپنا عقد خود کرالے۔ اور ایسا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اور یہی امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ امام شعبی وامام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور شعبی و زہری وغیرہ نے کہا ہے کہ ولی ارکان صحت نکاھ سے نہیں بلکہ صرف اتمام حجت کے لیے ہے۔) (اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے) غرض یہ مسلمہ ہے۔ کہ ولی صحت نکاح کی شرط نہیں۔ اسی وجہ سے مقدم عورت کی رضا مندی سکوت اور اجازت پر موقوف رکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے ک عورت ولی کے مجوزہ شخص سے ناراض ہو تو یہ نکاح درست نہیں ہوسکتا۔ پھر ایسی حالت میں ولی کی قید کیوں لگائی جائے۔ جو تشریح مولانا نے آیت مذکورہ کی کی ہے وہ ناقص وغیرہ کافی ہے۔ جس کی تکمیل میں میں نے یہاں تک کیا ہے۔ مگر اتنا تو میں ضرور کہوں گا کہ مولانا نے بھی اپنی عبارت میں عورت کی رضا مندی کو مقدم کر کے اس کو جبر وتعدی سے بری رکھا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ولی کی شرط کو قائم کرلینا البتہ محل اعتراض ہے۔ میں نے مضمون سابقہ میں ثیبہ کے ساتھ بنص صریح ولی کی شرط کو رفع کرتے ہوئے عقلا اس کی تجربہ کاری کی وجہ بتائی تھی۔ جس پر مولانا نے اعتراض

کرکے دلیل پش کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت کی شہادت نقصان کی وجہ سے نہیں لی جاتی۔ بلکہ دو عورتوں کی شہادت بمنزلہ ایک مرد کی گواہی کے ہوتی ہے۔ مگر مولانا نے اس ضرب المثل کا بالکل خیال نہ کیا۔ کے دیوانہ بھی اپنے مطلب کا سیانہ ہوتا ہے۔ شہادت کا قیاس انصان کے ذاتی نفع نقصان پر مبنی ہوتا ہے۔ اور شخص ثالث کےلئے شہود کی ہمدردی اس قابل نہیں ہوسکتی۔ کہ حاکم مجرد ایک عورت کی گواہی پر اعتماد کرلے ظاہر ہے کہ ذاتی نفع نقصان کو ایک حدتک مجنون بھی سمجھ بوجھ سکتا ہے۔

بعض معاملات میں ذاتی امور پر فوری تصفیہ کردیاجاتا ہے۔ مثلاً اگر زانی خود کہہ دے کہ میں نے ذنا کیا ہے۔ تو وہ حدودیا رجم کا بلاضرورت شہود مستحق ہوجاتا ہے۔ اقبالی ڈگریئں برابر نافذ ہوا کرتی ہیں۔ غرض یہ کہ مسئلہ شہود اور ہے۔ اور بحث نکاح اور اور اسکے قطع نظر تجربہ کاری سے میرا مقصود یہ نہیں کہ وہ عقل کی پختہ ہوجاتی ہے۔ بلکہ اس کا اپنے پہلے شوہر کے طرز معیشت اور طریقہ خانہ داری اور امور نفع ونقصان پر غور کرکے دوسرے خاوند کو اپنے اس تجربہ کے لحاظ سے خود بلادلی کے تجویز کرسکتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں جابر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ثیبہ کے جس تجربہ کا اظہار کررہاہے۔ وہی مرا مقصود اصلی ہے۔

عن جابر بن عبداللہ رضی للہ عنہما ان عبداللہ ہلک وترک تسع بنات اوقال سبع بنات فتزوجت امراۃ ثیبا فقال فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا جابر فی تزوجت قال قلت نعم ال فبکرام ثیب قال قلت بل ثیب یا رسول اللہ قال فہلا جاریۃ تلاعبہا وتلاعبک اوقال تضاحکہا وتضاحک قال قلت لہ ان عبداللہ ہلک وترک تسع بنات او سبع بنات وانی کرہت ان اٰتیتہن او اجیئہن بمثلہن فاجبت ان اجی بامراۃ تقوم علیہن وتصلحن قال فبارک اللہ لک اوقال لی خیرا

خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے۔ کہ ''حضور ﷺ نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم نے ایک باکرہ لڑکی سے عقد کیوں نہ کرلیا۔ جو تم اس سے ہنستے کھیلتے اور وہ تم سے ہنستی کھیلتی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عبداللہ نے 9 یا 7 لڑکیاں چھوڑ کر انتقال کیا ادن کی پرورش اور اصلاح حال وبہبودی کےلئے ایک تجربہ کار ثیبہ کے عقد ہی کو میں نے پسند کیا۔''

اس حدیث کے ملاحظہ سے واضح ہوگیا۔ کہ میں نے مضمون سابقہ میں جس ثیبہ کے تجربہ کاری کا اظہار کیا ہے۔ اس سے میرا مطلب یہی ہے۔ اس حدیث میں باکرہ اور ثیبہ کے تجربہ وعدم تجربہ کا ایک حدتک پتہ بھی چلتا ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

والبکر تستاذن اور الثیب احق بنفسہا من ولیہا

اور اگر بالفرض محال موافق فرمان مولانا صاحب ان کے نقصان عقل کو تسلیم کرلیں تو پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ عورت کی رضامندی کیوں مقدم رکھی گئی ہے۔ اور وہ اولیاء سے اس کے خلاف منشاء بھی کیوں مجبور ومقہور نہیں ہوتی۔ جب اس طرح نہیں تو یہ بھی ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کہ زاتی اور نفسی معاملہ میں نظیرا مسئلہ شہود پش کیا جائے اور نقصان عقل کی مثال دی جائے۔ اس بحث کے بعد میں یہ عرض کرو ںگا۔ کے ان امور متنازعہ کا تصفیہ امام داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر بطور کافی ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پرچہ 29 نومبر 1912ء میں عرض کردیا ہے۔ کہ دو احادیث کی تطبیق سے تیجہ صاف نکلتا ہے۔ کہ باکرہ اپنی کم سنی اور اپنے ماں باپ کے لاڈ پیار اور عدم تجربہ کے لحاظ سے گو اس کی بھی اجازت چاہیے۔ جو محض سکوت پر مبنی ہے۔ مگر دل کی شرط ضرور ہے۔ جس میں لا نکاح الا بولی۔ والبکر تستاذن۔ فرمان نبوی ﷺ کی تعمیل ہوجاتی ہے۔ ار ثیبہ بوجہ اس کے کہ وہ پہلے خاوند کی سرد وگرم طبیعت سے واقف ہے اور وہ اپنی ذات کےلئے خوب انتخاب کرسکتی ہے۔ جو الثیب احق بنفسھا من ولیھا کو شامل ہے۔ محدثین کی شان یہ ہے کہ جب احادیث دو معنی پر ایک ہی نوعیت کی ہوں۔ تو اس میں تطبیق دی جائے۔ مگر مولانا نے تطبیق کا لحاظ نہ فرمایا ناظرین اخبار 29 نومبر 1913ء کو جس میں میرا پہلا مضمون ہے۔ اس مضمون کے ساتھ پڑھیں۔ خدا نے زندہ رکھا تو ان شاء اللہ اس پر اور روشنی ڈالی جائے گی۔ (فقط۔ راقم ابو نعیم۔ محمد عبدالعظیم حیدر آبادی) (اہلحدیث 5 ربیع الثانی 1331 ہجری

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

[فتاویٰ ثنائیہ امرتسری]

جلد 2 ص 277

محدث فتویٰ